ابن خلدون اور اس کا مقدمہ

از
جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی پروفیسر یونیورسٹی (الٰہ آباد)

(۴)

(۷) (فتح (عطائی علم) اللہ کی جانب سے ہے) ابن خلدون کا اعتقاد ہے کہ کل تعلیم کا حاصل ہونا نہ استعداد سے ہوتا ہے نہ کوشش سے۔ بلکہ اس میں ایک طبیعی جزء کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، اس لئے جب تمہیں کوئی دشواری سمجھنے میں پیش آئے یا شبہات کا زور و شور ہو تو تم اس کو الگ کر دو اور اس فکر طبعی کی فضا میں پہونچ جاؤ جس پر تمہاری فطرت ہے اور اپنے ذہن کو اسی فضا میں اپنا مقصد حاصل ہونے کے لئے مشغول کر دو۔

نیز کئی چیزیں ایسی ہیں جو تعلیم سے مانع ہیں مثلاً (۱) تالیفات کی کثرت۔ جن میں سے چند کا پڑھنا بھی طالب علم کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے سب کے پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ (۲) فنی رایوں اور مسلکوں کی کثرت۔ جس سے طالب علم کا وقت فلاں اور فلاں کے جھگڑے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ ابن خلدون طالب علم کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کرنے والوں کی رایوں کے سمجھنے سے زیادہ فن کے نفس مسائل سمجھنے کا قصد کرے (۳) داخل نصاب تعلیم کتابوں کا ایسا اختصار کہ علم کے مسائل چیستاں اور پہیلی بن کر رہ گئے۔ جن کا سمجھنا ابتدائی طالب علم کی عقل پر نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ پھر ابن خلدون کہتا ہے کہ علوم دو قسم پر ہیں۔ (۱) علوم مقصود بالذات جیسے تفسیر قرآن کریم اور حدیث اور فقہ اور علم کلام اور طبعیات و الٰہیات۔ ان علوم کو وسیع پیمانہ پر حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) وہ علوم جو علوم مذکورہ کے وسیلے اور بمنزلہ آلہ کے ہیں جیسے علوم عربیہ (نحو و بلاغت) اور حساب و منطق۔ ان علوم کی طرف ان کے آلہ ہونے کی حیثیت ہی سے نظر کرنی چاہئے ورنہ اُن میں مشغول ہونا بے کار ہوگا کیوں کہ ان پر طلبہ حاصل ہونا دشوار امر ہے اور بسا اوقات یہ شغل علوم مقصودہ بالذات کے حاصل کرنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ پس جب طلبہ اپنی زندگی

وسائل کے حاصل کرنے میں صرف کردیں گے تو مقاصد میں کب کامیابی حاصل کریں گے؟ اس لئے ان علوم آلیہ کے معلموں کو چاہئے کہ ان میں زیادہ پھیلاؤ نہ کریں اور طالب علم کو ان علوم کے غرض سے خبردار کریں اور بس اتنے ہی پر ٹھہر جائیں۔ اس کے بعد جس متعلم کی ہمت کا یہ تقاضا ہو کہ وہ علوم آلیہ میں سے کسی علم میں کمال اور تبحّر پیدا کرے تو وہ بقدر حوصلہ جس قدر چاہے ترقی کرے۔

۸۔ ابن خلدون کی ادبی رائیں۔ مورخین ابن خلدون کی ادبی رایوں کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس کی اجتماعی رائیں ذہنوں پر ایسی چھاگئیں کہ مقدمہ میں اور ذکر کی ہوئی چیزوں کی طرف تبصرہ نگاروں کی نگاہیں نہ اٹھیں اور خود ابن خلدون کا مقصد بھی صرف احوال اجتماعیہ کا بیان کرنا ہے جس کے ضمن میں دوسرے امور مذکور ہو گئے ہیں اور انہیں میں سے عوارض ادبیہ ہیں۔ ابن خلدون کا یہ اعتقاد ہے کہ عرب اولین کے پاس فصیح لغت مع فصاحت لفظ و متانت ترکیب وصحت اعراب کے بمنزلہ ملکہ کے زبان میں تھی جسے چھوٹا بڑے سے بذریعہ نقل ومحاکاۃ صحیح و درست روایت کرتا تھا جیسا کہ اب ہمارا حال اپنی عام بولی کے نقل کرنے میں ہے پھر جب عرب فتوحات کی وجہ سے دوسرے ممالک میں منتشر ہوئے اور عجمیوں سے ملے جلے تو ان کے کان میں وہ غلط الفاظ پڑے جنہیں مستعربین (دوسرے ملک کے لوگ جو عرب میں آگئے۔ دخیل غیر خالص) استعمال کرنے لگے تھے تو اس ملکہ میں تغیر پیدا ہوگیا "کیوں کہ کان ہی سے ملکات لسانیہ پیدا ہوتے ہیں" اور لغت کا ملکہ لغت کے مفردات میں اور ان کے تراکیب میں زمانہ کے ساتھ متغیر نہیں ہوتا بلکہ نحو کے ملکہ کے فاسد ہونے سے فاسد ہوتا ہے اور اسی لئے قرآن کریم اور حدیث کے سمجھنے کے لئے نحو کی طرف توجہ کرنا لغت کی طرف توجہ کرنے سے زیادہ ضروری ہے لیکن آپس کی بات چیت میں اعراب کا نہ پایا جانا کچھ بھی مضر نہیں ہے جب کہ ہر بولنے والا اپنی بولی سے اپنے مقصود کو ادا کرتا اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے اور یہی زبان و لغت کا معنی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ کی عربی بولیاں لغت مُضر (فصیح عربی) کی مخالف ہیں۔ جو شخص لسان مُضر کے ملکہ کو حاصل کرنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی کے کلام قدیم کو جو ان کے اسلوبوں کے مطابق ہیں مثلاً قرآن وحدیث وکلام سلف اور ماہرین عرب کے

اشعار و اسجاع کو حفظ کرے پھر اس کے بعد اپنے دلی خیالات کو عربی عبارت میں ان ماہرین کی عبارت اور ان کی ترکیب کلمات کے مطابق ادا کرنے کی مشق کرے۔ اس کو اس حفظ و استعمال سے وہ ملکہ حاصل ہو جائے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان کے قوانین کے احاطہ کے باوجود اس زبان میں ملکہ حاصل نہیں ہوتا۔ بہت سے قوانینِ نحو کے عالم ایک خط نحوی غلطی سے خالی نہیں لکھ سکتے۔ اور بہت سے قادر الکلام شاعر شعر کے بحور اور جوازات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ذوق پر موقوف ہے کہ مثلاً انسان اپنے ملکۂ راسخہ سے اپنے دلی خیالات کو اسالیبِ عرب پر ادا کرنے کے طریقوں کی طرف راہ پالے۔ اندریں حالت جب اُس پر کوئی ایسا کلام پیش کیا جائے گا جو اسلوبِ عرب سے اور ان کی بلاغتِ کلام سے ہٹا ہوا ہوگا تو وہ اس کلام سے روگردانی اور نفرت کرے گا اور سمجھ لے گا کہ یہ ان عرب کے کلام میں سے نہیں ہے جس کے کلام میں اس نے محنت کی ہے اور لبا اوقات وہ اس پر حجت لانے سے عاجز رہے گا کیوں کہ یہ ایک وجدانی امر ہے جو کلام عرب کی ممارست سے حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ ممارست کرنے والا بھی انھیں میں سے ایک فرد کی مشابہ ہو جاتا ہے۔

ابن خلدون نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ دو صناعتوں میں کسی انسان کو کمال نہیں حاصل ہوتا مثلاً بڑھئی کے کام میں اور سلائی کے کام میں۔ اس لئے کہ صنعتیں اور ان کے ملکات ایک محل میں سمو نہیں سکتے اور جسے ایک صنعت میں پہلے کمال حاصل ہو گیا تو اسے دوسری صنعت میں کامل ہونا یا منتہی ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اس نے اس قاعدہ کو نثر اور شعر پر منطبق کیا ہے اور یہ طے کر لیا ہے کہ ان دونوں میں پورا جید ہونا بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک شعر اور نثر کے درمیان میں فارق اور امتیاز پیدا کرنے والے الفاظ ہیں معانی نہیں۔ معانی تو الفاظ کے تابع ہیں کیوں کہ ہر شخص کے پاس معانی موجود ہیں اور اس میں ہر فکر کی استطاعت ہے جسے وہ چاہے اور پسند کرے اس لئے اس میں صناعت کی طرف حاجت واقع نہیں ہوتی اور کلام کی ترکیب ان معانی کو بیان کرنے کے لئے صناعت کی محتاج ہے کلام معانی کے لئے بمنزلہ قالب کے ہے۔ تو جس طرح وہ برتن جس میں دریا سے پانی لیا جاتا ہے کوئی سونے کا کوئی چاندی کا کوئی سیپ کا کوئی شیشے کوئی مٹی کا ہوتا ہے اور پانی ایک ہی ہوتا ہے۔ پانی سے بھرے

ہوئے برتنوں میں ان کی جنس کے اختلاف سے بڑھیا گھٹیا ہونے کا فرق ہوتا ہے پانی کے مختلف ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اسی طرح لغت کی خوبی اور بلاغت استعمال میں تالیف میں طبقاتِ کلام کے مختلف ہونے کے سبب سے ہے اور یہ مقاصد پر منطبق ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ معانی ایک ہی ہوتے ہیں اور اسی لئے نظم یا نثر کی خوبی نظم یا نثر محفوظ یا مسموع کی خوبی کے تابع ہوتی ہے۔ اسلامی شعراء مثلاً حسان و عمرو جریر و بشار کے اشعار بلاغت میں نابغہ و عنترہ و ابن کلثوم و زُہیر کے اشعار سے بڑے درجے میں ہیں کیونکہ ان لوگوں نے قرآن کریم اور حدیث سے اپنے کلام میں استفادہ کیا ہے اور قرآن و حدیث وہ کلام ہے جس کے مثل تمام انسان لانے سے عاجز رہے اس لئے اسلامی شعراء کی طبیعتیں بلند اور ان کے ملکات بلاغت میں اہلِ جاہلیت کے ملکات پر فائق ہوئے۔

ابن خلدون کی باقی رائیں۔ جب کہ ابن خلدون نے جمیع علوم کو جو آبادی میں ہوتے ہیں "علم العمران یا علم الاجتماع" کے تحت درج کر دیا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کے طریقے کے موافق اس کو ذکر کریں۔ تفصیل سے قطع نظر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان علوم پر کلام کریں جن کا ذکر آ رہا ہے (جو درحقیقت ابن خلدون کے نزدیک علم الاجتماع میں داخل ہیں) مثلاً اقتصاد و سیاست اور تربیت و تعلیم، منطق اور جغرافیہ و فلک و علم النفس۔ لیکن اس سے ابن خلدون کی رایوں کے سمجھنے میں پریشانی ہوگی۔ ابن خلدون نے مقدمہ اس غرض سے نہیں لکھا کہ اس میں علم الاقتصاد و سیاست و جغرافیہ وغیرہ کے مباحث بیان کئے جائیں اس نے تو مقدمہ اس غرض سے تالیف کیا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہو جائے۔ یہ سب علوم علم الاجتماع کے مظاہر اور اس کے تابع ہیں۔ اور ان کل مظاہر کی غایت تاریخ کی حقیقی سمجھ تک پہنچنا ہے۔ اسی وجہ سے ان چند اوراق میں کم از کم یہ ضروری ہے کہ اجتماع کے فنون مختلفہ میں ابن خلدون کی رایوں کی ایسی مزاولت پر توجہ دی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ فنون موضوعِ واحد کے مظاہر ہیں یہ نہیں کہ وہ مستقل موضوع ہیں۔

(ابن خلدون کی کچھ نئی پسندیدہ باتیں اور اس کے اسلوب کا بیان)

۱۔ **برامکہ کی مصیبت کا سبب**۔ برمکیوں پر مصیبت نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ وہ امورِ سلطنت

میں خود مختار اور مستقل ہو گئے تھے اور ٹیکس کا مال خود وصول کر لیتے تھے یہاں تک کہ ہارون رشید کو تھوڑا مال طلب کرنے پر بھی نہ ملتا تھا، وہ لوگ اس کے امر پر غالب تھے اور حکومت میں اس کے حصہ دار بنے ہوئے تھے، رشید کو ان کے ہوتے ہوئے ملکی امور میں کچھ دخل نہ تھا ان کے اثرات عظیم ہو گئے تھے اور ان کا شہرہ دور تک پہنچ گیا تھا۔ ان لوگوں نے حکومت کے عہدوں کو اور اس کی زمینوں کو اپنی اولاد کے رئیسوں سے بھر دیا تھا۔ مثلاً وزارت، کتابت، قیادت، حجابت اور سیف و قلم۔ کہا جاتا ہے کہ رشید کے دربار میں یحییٰ بن خالد کی اولاد میں سے پچیس سردار تھے بعض صاحب سیف بعض صاحب قلم، برمکیوں نے ان عہدوں اور جائدادوں کے حاصل کرنے میں اراکینِ حکومت کو اپنی طاقت سے مغلوب کر دیا تھا کیونکہ برامکہ کا باپ یحییٰ بن خالد ہارون کا ولی عہد ہونے کی حالت میں اور خلیفہ ہونے کی حالت میں پرورش کنندہ اور اتالیق تھا اسی کے گود میں وہ جوان ہوا اور بادشاہ ہوا۔ رشید اسے یا ابت (اے ابا) کہہ کر پکارتا تھا اس وجہ سے خلیفہ کی عنایت اُن کی طرف بہت ہوئی۔ برمکیوں میں ناز و تمکنت بڑھی اور جاہ عظیم حاصل ہوئی، لوگوں کے رُخ ان کی طرف پھر گئے۔ گردنیں ان کے سامنے جُھک گئیں اور ان پر امیدیں جم کر رہ گئیں۔ دور دراز مقامات سے بادشاہوں کے ہدایا اور اُمرا کے تحفے ان کے پاس پہنچنے لگے۔ اور ان کا تقرب حاصل ہونے اور ان کو مائل کرنے کے لئے ٹیکس کے اموال ان کے پاس دھڑا دھڑ آنے لگے۔ انھوں نے شیعہ اشخاص کو اور قرابت کے بڑے لوگوں کو عطایا سے مالا مال کر دیا، احسانات کا طوق انھیں پہنا دیا، شریف خاندانوں کے ناداروں کے لئے کمانے کی صورت پیدا کر دی، قیدیوں کو آزاد کیا اور ان کی ایسی مدح کی گئی کہ خلیفہ کی بھی نہیں کی گئی انھوں نے سائلین کو عطایا اور انعامات دیئے اور پورے ملک میں دیہات اور شہروں کی بستیوں اور زمینوں پر قابض ہو گئے۔ یہاں تک کہ خاندان کے لوگوں کو بھرپور کر دیا اور معززین کو ناخوش اور ارکان حکومت کو ناراض کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقابلہ اور حسد کے راستے کھل گئے اور ان کے نرم بستروں پر چغلخوری کے بچھو رینگنے لگے... یہاں تک کہ ان کی بلندی گر گئی، آسمان ان پر ٹوٹ پڑا اور وہ مع اپنے گھروں کے زمین میں دھنس گئے اور ان کے حالات آئندہ آنے والوں کے لئے عبرت بن گئے۔

۲۔ جائے قیام کا اثر انسان کے رنگ اور اخلاق پر۔ کچھ علماء نسب کا، جنھیں کائنات کے طبائع کا کچھ علم نہیں ہے، یہ خیال ہے کہ حبشی لوگ حام بن نوح کی اولاد ہیں، ان کا رنگ اس وجہ سے سیاہ ہوا کہ حام کے باپ نے اس پر بددعا کی تھی اس کا اثر اس کے رنگ پر ظاہر ہوا... اور اس کے متعلق ایک قصہ بیان کرتے ہیں جو واعظین کی واہیات باتوں میں سے ہے... اس قول میں گرمی اور سردی کی طبیعت سے اور ہوا میں اور ان حیوانات میں جو اس میں ہوتے ہیں گرمی اور سردی کے اثر سے غفلت کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ رنگ (کالا) اقلیم اول اور اقلیم ثانی والوں کو شامل ہے، ان کی ہوا کے مزاج سے بہ سبب شدید حرارت کے جو جنوب میں ہے۔ اس لئے کہ ہر سال آفتاب دو دفعہ ان کے سروں کے برابر ہو جاتا ہے اور یہ دونوں قریبی زمانہ میں ہوتے ہیں اس لئے دھوپ زیادہ ہوتی ہے اور ان پر گرمی کی شدت بڑھ جاتی ہے اور گرمی کی زیادتی کی وجہ سے ان کے چمڑے سیاہ ہو جاتے ہیں ان دونوں اقلیموں کے مقابلے میں شمال میں اقلیم سادس و سابع کا حال ہے کہ گورا (سفید) رنگ وہاں کے رہنے والوں کو ان کے ہوا کے مزاج سے بہ سبب سخت سردی کے شامل ہے۔

۳۔ مغلوب و غالب۔ ... نفس ہمیشہ اس شخص میں کمال کا معتقد ہوتا ہے جو اس پر غالب ہوتا ہے اور نفس جس کا مطیع ہو جاتا ہے... اسی وجہ سے مغلوب ہمیشہ غالب کے ساتھ اس کے لباس، سواری، ہتھیار اور تمام احوال میں تشبّہ اختیار کرتا ہے۔ کسی ملک میں دیکھو کہ وہاں کے رہنے والوں پر حکام اور فوج کی پوشاک و ہئیت زیادہ تر غالب رہتی ہے کیوں کہ وہ لوگ ان پر غالب ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ جماعت جو دوسری ایسی جماعت کی پڑوسی ہوتی ہے جو غالب ہے۔ مغلوب میں غالب کے تشبہ اور پیروی کا بڑا حصہ آجاتا ہے یہی اس قولِ مشہور کی وجہ ہے۔ العامۃ علیٰ دین الملک یعنی عوام لوگ بادشاہ کے طریقہ پر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بادشاہ اپنے ماتحتوں پر غالب ہوتا ہے اور رعایا اس میں کمال کے اعتقاد کی وجہ سے اس کی پیروی کرتی ہے اور کوئی قوم جب مغلوب ہوتی ہے اور دوسرے کی ملک ہو جاتی ہے تو سمجھو کہ اس کی فنا قریب ہے۔ اس کا

سبب یہ ہے کہ اس کے نفوس میں کاہلی اور سستی آجاتی ہے جب کہ اس کے اختیار کا غیر مالک ہو گیا اور وہ غلامی کی وجہ سے دوسروں کا آلۂ کار بن گیا اور عملاً دوسروں کا لے پالک ہو گیا تو اس کی امید کوتاہ اور اس کی نسل کم زور ہو جاتی ہے۔ دراصل آبادکاری امید کی عظمت اور اس امنگ سے جو قوائے حیوانیہ میں امید سے پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے سوڈان کی قوموں میں غلامی کی زیادتی ہے۔ کیونکہ ان میں انسانیت کی کمی ہے اور وہ تقریباً چوپایوں کے درجہ میں ہیں یا غلامی ان لوگوں میں ہے جو رشتۂ غلامی میں منسلک ہونے سے کسی عہدہ یا مال یا اعزاز حاصل ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مشرق میں ترک ممالک کے لئے اور جلالقہ اور فرنگ کے کفار کے لئے ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں کی عادت ہے کہ ان لوگوں کے لئے حکومت قائم کرتے ہیں اور غلام بننے سے عار نہیں کرتے کیونکہ ان کو ان لوگوں کی حکومت ہو جانے سے جاہ و رتبہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔

۴۔ کسٹم اور گورنمنٹ کی تجارت۔ حکومت ابتدا میں بدوی طرز (سادگی) کی ہوتی ہے، اس لئے اس کی ضرورتیں کم ہوتی ہیں تو اس کی آمدنی اور خرچ دونوں کم ہوتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ شہریت کا ڈھنگ آسائش اور اس کے اسباب میں اختیار کرنے لگتی ہے اور اپنے سے پہلی حکومتوں کے طریقہ پر چلتی ہے اس وجہ سے ارکینِ دولت اور بادشاہ کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور ملک کا خراج ان کے لئے ناکافی ہو جاتا ہے اس لئے گورنمنٹ کو خراج بڑھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس طرح وظیفوں اور تنخواہوں کی مقدار میں زیادتی ہو جاتی ہے، حکومت میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی جماعت اطرافِ بعیدہ سے کم زور ہو جاتی ہے اس طرح خراج کم پڑ جاتا ہے تب گورنمنٹ طرح طرح کے نئے ٹیکس نکالتی ہے جس کو مال بیچنے والوں پر مقرر کرتی ہے اور اس کی ایک مقدار مقررہ قیمتوں پر بازاروں میں اور شہر کے مالوں میں خود اموالِ تجارت پر لگا دیتی ہے۔ بسا اوقات یہ زیادتی حکومت کے آخری زمانہ میں بہت ہی بڑھ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بازار عام مایوسی کی وجہ سے کاسد ہو جاتے ہیں اور یہ چیز آبادی کے بگڑ جانے کی نشان دہی کرتی ہے۔ پھر جب حکومت کی حاجت بڑھتی ہے تو کبھی وہ ٹیکسوں کے نئے نئے ناموں اور عنوانوں کے لئے مجبور ہوتی ہے اگر

ٹیکس پہلے سے جاری ہو چکے ہیں، کبھی بادشاہ کے لئے تجارت اور کاشتکاری خراج کے نام سے تجویز کی جاتی ہے کیوں کہ وہ تاجروں اور کاشتکاروں کو دیکھتے ہیں کہ گو ان کے پاس مال کی تھوڑی پونجی ہوتی ہے مگر وہ فوائد و منافع زیادہ حاصل کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں اور چوں کہ نفع راس المال کی نسبت سے ہوتا ہے اس لئے کارکنانِ حکومت حیوانات اور نباتات حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں کیوں کہ ان اشیاء کے خریدنے میں فوائد زیادہ ہیں اور ان کے اسباب کا حصول نسبتاً سہل اور آسان ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رعایا تو آسانی اور ذرائع سہولت میں تقریباً مساوی ہوتی ہے اور اس میں ایک کی دوسرے سے مزاحمت ختم یا قریب ختم کے ہو جاتی ہے مگر جب رعایا کا بادشاہ اس میں شریک ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا مال ان لوگوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے تو یہ بات مستبعد ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی کسی شئے میں اپنی حاجات میں سے اپنی غرض حاصل کر سکے۔ انجام کار اس سے دلوں پر غم اور پریشانی چھا جاتی ہے۔ پھر بادشاہ کبھی اس میں سے بہت سا مال بہ طریق غصب یا تھوڑے داموں پر نکال لیتا ہے کیوں کہ اس سے جھگڑا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو وہ بائع پر دام گھٹا دیتا ہے۔ پھر جب کاشتکاری وغیرہ کے فوائد غلہ، ریشم، شہد اور شکر وغیرہ اور سوداگروں کے اموال ہر قسم کے حاصل ہوتے ہیں تو اہل حکومت بازاروں کے نرخ کا انتظار نہیں کرتے اور نہ اشیا کے چلن کا۔ کیوں کہ حکومت کی ضرورتیں اس کو متحمل نہیں ہوتیں۔ بالآخر تاجر یا کاشتکار کو ان چیزوں کے خریدنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کے دام قیمت کے برابر بلکہ اس سے زیادہ لئے بغیر رضا مند نہیں ہوتے اور کبھی یہ امرا اور شہر کے غالب و قاہر لوگ جو زراعت یا تجارت کے کاموں پر گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں یہاں تک کر بیٹھتے ہیں کہ غلوں اور اسباب تجارت کو ان کے مالکوں سے جو ان کے شہروں میں وارد ہوئے ہیں خریدنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور دام جو کچھ چاہتے ہیں مقرر کر دیتے ہیں اور ان اشیا کو اسی وقت اپنی ماتحت رعایا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور دام حسب منشا مقرر کرتے ہیں۔ یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ سخت ہے، رعایا کو زیادہ برباد کرنے والی اور ان کی حالت کو زیادہ خراب کرنے والی۔

۵۔ شہروں کے نرخ۔ جب شہر زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس کے رہنے والے بہت ہو جاتے ہیں۔

توضروری اشیا مثلاً غذا وغیرہ کا نرخ ارزاں ہوجاتا ہے اور کمالی اشیا مثلاً ترکاری اور میوہ جات وغیرہ کا نرخ گراں ہوجاتا ہے، جب شہر کے رہنے والے کم ہوجاتے ہیں اور آبادی کم زور ہوجاتی ہے تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اناج غذا کی ضروریات میں سے ہے اس لئے اناج حاصل کرنے کے دواعی اور وجوہ کثیر ہوتے ہیں کیوں کہ ہر شخص اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے ایک مہینہ یا ایک سال کی غذا کا مہیا کرنا ضروری جانتا ہے اس لئے کل اہلِ شہر یا ان میں سے زیادہ تر اس شہر میں یا شہر سے قریبی مقام میں غلہ لیتے ہیں اور ہر غلہ لینے والے کے پاس اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوراک سے بہت کچھ بچ جاتا ہے جس سے بلاشک اس شہر کے بہت سے رہنے والوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے اس وجہ سے اکثر غلوں کا نرخ ارزاں ہوجاتا ہے۔ رہے دوسرے سامان ترکاری و میوہ جات وغیرہ تو ان کی اتنی زیادہ عام حاجت نہیں پڑتی۔ پھر جب شہر وسیع اور کثیر آبادی والا ہوجاتا ہے اور اس میں راحت و آسائش کی ضرورتیں بڑھ جاتی ہیں، تو ان اشیاء کمالیہ کو طلب کرنے کے دواعی اور رجحانات بھی زیادہ ہوجاتے ہیں اور ہر ایک شئی کی اس کی حالت کے مناسب مانگ ہوتی ہے تو ان اشیاء کا موجودہ اسٹاک حاجات کے اعتبار سے بہت کم رہ جاتا ہے اور خریدار زیادہ ہوجاتے ہیں، اس طرح سامان فروخت کرنے والوں کا ہجوم ہوجاتا ہے۔ اور راحت طلب اور آسائش پسند روٴسا زیادہ قیمت دے کر انھیں خریدتے ہیں کیوں کہ اوروں کی بہ نسبت ان کو ان اشیاء کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اس لئے ان چیزوں کا نرخ گراں ہوجاتا ہے۔

۶- بادشاہ کو حکومت میں تصرف کرنے سے باز رکھنا۔ جب ملک ایک خاص حالت میں اور ایک خاندان میں جو حکومت قائم کرنے والے ہیں مستحکم ہوجاتا ہے اور یہ اس پر تنہا مستقل ہو کر جم جاتے ہیں اور باقی جماعتوں کو مغلوب کر دیتے ہیں اور پھر ان کی اولاد یکے بعد دیگرے دوسروں کی مدد اور حمایت سے حکومت کرتی ہے۔ تب اکثر وزیروں اور مصاحبوں کی طرف سے حکومت کے منصب پر غالب ہونے کی کارروائی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا سبب زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ کوئی نابالغ لڑکا اپنے باپ کا ولی عہد ہونے کی وجہ سے یا کوئی کم زور شخص اپنے قرابتمندوں، رشتہ داروں

اور خادموں کی حمایت اور طرف داری سے بادشاہ بنا دیا جاتا ہے مگر وہ ملک کے انتظام سے عاجز نظر آتا ہے تب اس کے باپ کے وزیروں اور اس کے مصاحبوں اور غلاموں میں سے یا اس کی جماعت میں سے کوئی شخص اس کا کفیل ہو کر کام انجام دیتا ہے اور اگرچہ یہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے اختیارات کی حفاظت کر رہا ہے مگر فی الحقیقت اس کو اپنی حکومت کا ذریعہ بناتا ہے اور اس نابالغ کو لوگوں سے الگ رکھتا ہے، اس کو راحت و آسائش کا خوگر بناتا ہے اور اس کے دل سے شاہی امور میں غور کرنے کی بات کو بھلا دیتا ہے تاکہ اس میں استقلال پیدا ہی نہ ہو اور یہ بچہ آسائش کا خوگر ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ ملک میں بادشاہ کا حصہ صرف تخت پر بیٹھنا، عطیے عطا کرنا ڈرانا دھمکانا اور حجاب کے پیچھے بیٹھنا ہے، امورِ سلطنت کا بست و کشاد اور لشکر و مال اور سرحدوں پر نظر کرنا وزیر کا کام ہے … یہ بات زیادہ تر آسائش کی حالتوں میں اور شاہزادوں کی ناز و نعمت کی پرورش میں پائی جاتی ہے، وہ جوانمردی کے زمانہ کے کارناموں کو بھول جاتے ہیں اور دایہ اور آیا کی عادتوں سے مالوف ہو جاتے ہیں اور انھیں طریقوں پر نشو و نما پاتے ہیں اس لئے نہ وہ سرداری کی طرف راغب ہوتے ہیں اور نہ غالب ہونے کے استقلال کو سمجھتے ہیں، ان کا اہم مقصد ظاہری شان و شوکت پر قناعت کرنا اور لذاتِ نفس اور آسائش و راحت کی صورتوں میں منہمک رہنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

خلافتِ راشدہ

حصہ دوم تاریخ ملت:- عہد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات قدیم و جدید عربی تاریخوں کی بُنیاد پر صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب کالجوں اور اسکولوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق ہے، جدید اڈیشن؛ صفحات ۳۷۶ قیمت ۳ؔ ۔ مجلد ۱۲/۳